Dareecha-e-Tahqeeq
دریچۂ تحقیق
ISSN PRINT 2958-0005 ISSN Online 2790-9972
VOL 3, Issue 3
www.dareechaetahqeeq.com dareecha.tahqeeq@gmail.com

آصفہ عزت اللہ

پی ایچ۔ڈی اسکالر، شعبہ اردو زبان و ادب، یونیورسٹی آف سرگودھا

ڈاکٹر سمیرا اعجاز

اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اردو زبان و ادب، یونیورسٹی آف سرگودھا

پاکستانی ادیبوں کے چین کے سفر ناموں میں ثقافتی اظہار

Asifa Izzatullah

Scholar Ph.D Urdu University of Sargodha

Dr Sumaira Ejaz

Assistant Professor, Department of UrduUniversity of Sargodha ,

Cultural Depiction of China by Pakistani Travelogue Writers

Travelogue is one of the most popular genre of Urdu Literature in which reality is kept in focus instead of imaginative or hypothetical aspects of life. The foremost condition of writing a travelogue is to travel to some city, country, or continent and to observe the culture and customs, living conditions, habits, norms, values, and traditions of the people of that particular area. A travelogue provides political, social, cultural, educational, and historical information. History is an important feature in travelogue and it is given a lot of importance to perceive the traditions and customs of a social group. Travelogues not only safeguard the customs of any particular group or age but they are the means through which these customs are transferred from one generation to another. Pakistani travelogue authors who focus on the illustration of tradition and custom-based travelogue are more successful and effective than any other writers. Every author presented cultural aspects of other countries by focusing on their racial, lingual, and

 Corresponding Author's Email: asifaizzatullah@gmail.com

historical features. These travelogues not only fulfill the demand of the present age but also highlight the critical point of view. China is believed to be one of the biggest cultural countries whose historical evidence resembles the age Before Christ. The world's largest population is present in China and which is approximately 1.40 billion. This article will delineate the cultural and traditional aspects of China, provide a critical view of China's customs and provide a comparison of culture and tradition between China and Pakistan.

سفر نامہ اردو ادب کی مقبول ترین صنف ہے جس میں خیالی اور فرضی قصے کہانیوں کے برعکس حقائق کو لازم و مقدم رکھا جاتا ہے۔ سفر نامے کی اولین شرط کسی دوسرے شہر، ملک یا خطے کا سفر اختیار کرنا، وہاں کے باسیوں کے حالات و واقعات، تہذیب و ثقافت اور عادات و اطوار کا بغور جائزہ لینا ہے۔ یونہی ایک کامیاب سیاح کو اپنے ذاتی تجربات سے وہاں کے رہائشیوں کے خصائص، معاشرت، تعلیم، رسم و رواج، رہن سہن، شغل، سیاسی، اقتصادی، مذہبی اور تہذیبی زندگی کو باریک بینی سے پرکھنے کا موقع ملتا ہے جسے وہ بعد میں دلچسپ یادداشت، خوبصورت احساسات و جذبات اور مشاہدات کی صورت اپنے قلم کے ذریعے محفوظ کر لیتا ہے۔

ایک سیاح جب کسی خطے کا سفر کرتا ہے تو وہ وہاں کے لوگوں سے ملتا ہے گفتگو کرتا ہے۔ ان کے حالات سے آگاہ ہوتا ہے اُن کے بود و باش، طور طریقوں سے واقف ہوتا ہے تو جب وہ سفر نامہ لکھتا ہے تو ان تمام پہلوؤں کو مدِ نظر رکھ کر تحریر کرتا ہے۔ یوں ایک علاقے یا خطے کی ثقافت قاری کے سامنے کھل کر سامنے آتی ہے۔ جس کا ہر نقطہ ہمیں کسی بھی ملک یا قوم کی ثقافت کو سمجھنے میں معاون ثابت ہوتا ہے۔

سفر نامہ دراصل کسی بھی ملک کی سیاست، سماج، تعلیم، تہذیب، کلچر اور تاریخی حالات کے متعلق معلومات بہم پہنچاتا ہے۔ کہ کس خاص عہد کے علاقے کے رسم و رواج کیا تھے۔ اُن کی زبان اور مذہب سے بھی آگاہی ہوتی ہے۔ سفر ناموں میں ماضی کی تاریخ ایک تہذیبی و تاریخی حیثیت رکھتی ہے۔ سفر نامے نہ صرف ایک عہد کی تہذیبی زندگی کو محفوظ کرتے ہیں بلکہ اس تہذیب کو آگے منتقل کرنے کا ذریعہ بھی ہے۔

جہاں تک سیر و سیاحت کے محرکات کا تعلق ہے تو عہدِ قدیم سے لے کر اب تک تبلیغِ دین، حصولِ علم، تلاش معاش، سیاسی مقاصد اور زیارتِ مقدسہ وہ چند مقام ہیں جنھوں نے نسلِ انسانی کے پاؤں میں چکر ڈال رکھا ہے اور یوں ان متنوع مقاصد کے حامل اسفار نے مختلف سفر ناموں کو جنم دیا ہے جو دیس دیس کی تاریخ، تہذیب، تصورِ کائنات، رسوم و رواج، عادات، رجحانات، معتقدات، میلانات اور علوم کا ایک وسیع خزانہ سمیٹے بیٹھے ہیں اور جو بعض صورتوں میں تاریخ، تہذیب و تمدن کا اہم مآخذ سمجھے جاتے ہیں۔(1)

پاکستانی ادیبوں کے سفر نامے جو تہذیب و ثقافت کی عکاسی کرتے ہیں ان میں عام سفر نامہ نگاروں کی نسبت تہذیب و ثقافت کی پیش کش زیادہ مؤثر انداز میں کی گئی ہے۔ تخلیق کار جو ہوتا ہے وہ اپنا سفر تخلیقی سطح پر کرتا ہے اس کا سفر عام انسانوں جیسا نہیں ہوتا۔ تمام ابواب میں اس بات کی تفصیل دی گئی ہے۔ پاکستانی ادیبوں نے ثقافتی اور تہذیبی زندگی کا باریک بینی سے مشاہدہ کر کے مختلف براعظموں، خطوں اور ممالک کی تہذیب و ثقافت کا موازنہ اپنی تہذیب و ثقافت سے کیا ہے جس سے دو تہذیبوں کا تقابلی جائزہ بھی ممکن ہوتا ہے۔ موازنے کے ساتھ مماثلت کو بھی بیان کیا گیا ہے۔ لہٰذا تخلیق کاروں نے تخلیقی سطح پر تہذیب و ثقافت کی پیش کش کے ساتھ ساتھ تصورات کو بھی سفر نامے کا حصہ بنایا گیا ہے کیونکہ یہ سفر نامے تہذیب و ثقافت کو آگے منتقل کرنے کا ذریعہ بھی ہیں۔ تمام ادیبوں نے دوسرے ممالک کی نسلی، لسانی اور تاریخی حوالے سے تہذیبی پہلوؤں کو اپنے انداز میں پیش کر کے قارئین کو دیگر ممالک کے لوگوں کی نفسیات سے بھی روشناس کروایا ہے۔ یہ سفر نامے قاری کو مختلف ممالک کی تاریخ، ماضی اور حال کی تہذیب و ثقافت کا نظارہ بھی کرواتے ہیں۔ یہ سفر نامے نہ صرف عصری تقاضے پورے کرتے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ تنقیدی بصیرت بھی سامنے لاتے ہیں۔

اس حوالے سے ڈاکٹر انور سدید لکھتے ہیں:

کوئی بھی تحریر جب ادیب کے قلم سے نکلے گی اور فن کے مطالبے پورے کرے گی تو اس کی خاص شان ہو گی سچ تو یہ ہے کہ سفر نامہ موضوع ہی ادیب کا ہے۔ ادیب جو داخلی خارجی دنیا کا مسافر ہے۔ اندر اور باہر ہے مواد اکٹھا کرتا ہے اپنے مشاہدات تجربات واقعات، واردات اور خیالات میں اپنی سوچ، جذبات اور محسوسات کا شامل کرتا ہے۔ الفاظ اپنے آپ چمکنے اور تخلیق کا حصّہ بنتے ہیں بصارت اور بصیرت کا ملاپ ہوتا ہے۔(2)

چین ایک تہذیبی ملک ہے جس کی تاریخ کے شواہد قبل از مسیح میں ملتے ہیں۔ چین کی آبادی 1.40 بلین ہے جو کہ پوری دنیا کی آبادی کے لحاظ سے بڑا ملک ہے۔ اس کا رقبہ 9.597 ملین مربع کلومیٹر ہے۔ اتنے بڑے اور قدیم تہذیب والے ملک کی سیر کرنا اور پھر اس سفر کو اپنے خوبصورت الفاظ کا جامہ پہنا کر سفر نامے کی شکل دینا آسان کام نہیں۔ پاکستان کے بہت سے ادیب چین کی سیر و سیاحت کے لیے چین گئے، بعض ادیب اکیلے جبکہ بعض حکومت کی طرف سے وفد کی شکل میں گئے۔ انھوں نے وہاں کے رہن سہن، تہذیب و ثقافت اور ان کی تاریخ کو زیادہ تر موضوع بنانے کی کوشش کی۔ اردو میں سفر نامے تو بہت لکھے گئے لیکن جو سفر نامے سفر چین سے متعلق ہیں ان میں "نئی دیوار چین" از ابراہیم جلیس (1958)، "چلتے ہو تو چین کو چلیے" از ابن انشاء (1967)، "ہمالہ کے اس پار" از میرزا ادیب (1979)، "100 کروڑ" از

اسلم کمال (1981)، "لاہور سے چین تک" از اسلم کمال (1989)، "ریشم ریشم" از امجد اسلام امجد (1993)، "چینیوں کے چین میں" از حسن رضوی (1993)، "پُتلی پیکنگ کی" از مستنصر حسین تارڑ (2003) شامل ہیں۔

دنیائے ادب میں شہرت کا حامل سفر نامہ "نئی دیوار چین" معروف ادیب و صحافی "ابراہیم جلیس" نے 1958ء میں لکھا جو کہ ان کا پہلا سفر نامہ ہونے کی بدولت بہت اہمیت کا حامل ہے۔ ابراہیم جلیس نے چین میں انقلاب کے بعد وہاں کا سفر کیا اور وہاں کی سیاسی، سماجی، ثقافتی اور معاشرتی زندگی کا بغور مشاہدہ کرتے ہوئے وہاں درپیش آنے والے تمام حالات واقعات کو اپنے قلم کی زینت بنایا ہے۔

ابراہیم جلیس نے مذکورہ بالا سفر نامے میں چینی لوگوں کی سماجی زندگی پر قلم اٹھاتے ہوئے اپنے قارئین کو چینی لوگوں کے ملبوسات، مشروبات اور دیگر اہم تہذیبی اقدار و روایات سے آگاہ کیا ہے۔ مصنف بتاتا ہے کہ وہاں کے شہریوں نے پتلونیں، بند کالے رکے کوٹ، کاوٹی ٹوپیاں (فر کی بڑی بڑی ٹوپیاں) زیب تن کر رکھی تھیں۔ آپ نہ صرف شہروں کے لوگوں سے ملاقات کی بلکہ دیہاتی لوگوں سے بھی تبادلہ خیال کیا اور ان کے ملبوسات سے متعلق اہم معلومات بھی حاصل کیں۔ ادیب کے بقول عورتیں چوڑے چوڑے گھیرے والی چٹائی کی دریاں اوڑھے ہوئے تھیں اور کسان کالے پتلون، کالے قمیص میں دیہات کے رشتے کو مضبوطی سے تھامے نظر آتے تھے۔ بعد ازاں مصنف نے مختلف اقسام کے چینی کھانوں اور مشروبات، سبز چائے اور چاؤ چاؤ کا تذکرہ بھی کیا ہے۔ وہ چینی شرابوں اسکاچ، وسکی اور شیمپین کے متعلق بھی بتاتے ہیں۔ ابراہیم جلیس کو جو گوشت طیارے میں کھانے کو دیا گیا تھا ان کے مطابق وہ سور کا گوشت تھا۔ مصنف کو لگتا ہے چینی مینڈک، چوہے اور بلیاں کھاتے ہیں یعنی وہاں حلال و حرام کی تمیز نہیں ہے۔

مصنف نے اپنے سفر نامے میں چین کے آزادی سے پہلے اور بعد کے حالات کو بھی نوک قلم کے سپرد کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ آزادی سے پہلے چین میں ہر وقت جنگ کا سماں تھا، وہاں کے لوگ ظالم طاقتوں کے ظلم و بربریت کے شکنجے میں جکڑے ہوئے تھے بعد ازاں جب انقلاب آیا تو چینیوں کے حالات خاصے بدل گئے، ان کی لازوال قربانیوں اور کوششوں سے چین ایک بہترین طاقت بن کر ابھرا۔ "نئی دیوار چین" میں مصنف نے چین کو تین ادوار میں تقسیم کرتے ہوئے لکھا ہے:

"چین ایک بڑا رنگین ملک ہے۔ آغازِ تاریخ سے اب تک چین نے تین رنگ بدلے ہیں۔ پہلے وہ زرد چین تھا۔ اس کے بعد وہ نیلا چین بنا اور آخر میں وہ سرخ چین بن گیا ہے۔ چین کے پہلے دو رنگ کچے اور ناپائیدار تھے لیکن یہ سرخ رنگ بہت پکا اور پائیدار ہے۔"(3)

مصنف کو وہاں چینی وزیر اعظم نے جشن کی تقریب میں مدعو کیا تھا جو کہ پیکنگ شہر میں منعقد کی گئی تھی۔ پیکنگ میں جشن کا سماں تھا وہاں کے عالی شان ہوٹل میں صبح کا منظر بہت حسین دکھائی دیتا تھا، خوشی کا اظہار کیا جارہا تھا اور قومی ترانے گائے جا رہے تھے، لوگ موٹر سائیکلوں، جہازوں اور بسوں پر سیکڑوں کی تعداد میں اپنے ملک کے جھنڈے لہرا رہے تھے۔ اس تقریب میں سب سے زیادہ اہمیت ایک کسان کو دی جارہی تھی لوگ وہاں ہجوم کی مجموعی تعداد میں رقص کر رہے تھے، بعض ڈھول پیٹ رہے تھے، بعض ناچتے اور ساتھ ہی ساتھ کسان کو بھی خاصی داد دیتے نظر آرہے تھے مزید اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اس مسرت بھری تقریب کو امن کی علامت کہا جارہا تھا کیونکہ ہزاروں قربانیاں دے کر انھوں نے یہ شہر حاصل کیا تھا۔

پیکنگ کو چینی ادب وفنون لطیفہ کی انجمن، چینی فیڈریشن، چینی جمہوریت پسند نوجوانوں کی انجمن قرار دیا جاتا ہے۔ ابراہیم جلیس اس شخص سے بھی ملے جس نے چینی قوم کی تقدیر بدل ڈالی، جو کہ ایک ادیب، شاعر، سپاہی اور فنکار ہے۔ ابراہیم نے وہاں کچھ ادیبوں، شاعروں اور ادبی شخصیات سے بھی ملاقاتیں بھی کی ہیں۔

ابراھیم جلیس چین کی ترقی کے متعلق بات کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ وہاں بچوں کی تعلیم وتربیت پر بہت زیادہ توجہ دی جاتی ہے۔ ان کی جسمانی وذہنی صحت کا خیال رکھا جاتا ہے انہیں آرام دہ ماحول دیا جاتا ہے تاکہ وہ بہترین ماحول میں پرورش پاسکیں۔ چین میں عورت کو بہت اہمیت حاصل ہے وہاں کی عورتیں بہت زیادہ محنتی اور جفاکش ہیں۔ مردوں کے شانہ بشانہ کام کرتی ہیں۔

المختصر یہ کہ مصنف نے اپنے اس سفر نامے میں پرانی چینی تہذیب اور نئی تہذیب کا تقابلی جائزہ پیش کرنے کے ساتھ وہاں انقلاب کے وقت پیش آنے والے حالات واقعات اور مقامی لوگوں کی کاوشوں کو سراہتے ہوئے اس سفر نامے میں انھیں خراجِ تحسین پیش کرنے کی قابل تعریف مثال پیش کی ہے۔

"چلتے ہو تو چین کو چلیے" ابن انشا کے مشہور زمانہ سفر ناموں میں سے ایک ہے۔ وہ 1966ء میں سیاحت کے سلسلے میں پاکستان سے چین روانہ ہوئے تو وہاں پر ہونے والے تمام واقعات تہذیب و ثقافت اور رسم و رواج و اطوار کو 1967 میں قلم بند کر کے سفر نامے کی صورت میں قارئین کو ودیعت کیا۔

انھوں نے ہمیشہ ایک سوشل نقاد کی حیثیت سے سفر کیا اور جب بھی وہ دیگر ممالک میں جاتے تو وہاں کی خوبیوں اور خامیوں کا موازنہ اپنے وطن کے ساتھ کرتے۔ ان کے تمام سفر ناموں کا ایک اہم پہلو پاکستانی معاشرے کا دیگر معاشروں کے درمیان تقابل ہے۔

اس سفر نامے میں چین کی تہذیب و ثقافت کی بہترین عکاسی ملتی ہے۔ اس میں ابن انشاء نے ملک چین کی صفائی و ستھرائی کو دل کھول کر سراہتے ہوئے اس کا موازنہ پاکستان کے ساتھ کیا ہے کہ ہم لوگ اپنے گردوپیش کی صفائی کا خاطر خواہ خیال نہیں رکھتے۔ ہمارے یہاں صفائی میں لاپرواہی کا مظاہرہ کیا جاتا ہے اور ساتھ ہی یہ بھی باور کرواتے ہوئے پاکستانیوں پر طنزاً بحث کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ہمارے ملک میں بدن کی صفائی ستھرائی پر زیادہ زور دیا جاتا ہے اور اس کے برعکس معاشرتی صفائی کے حوالے سے شعور کا فقدان ہے

ابن انشاء نے چینی معاشرے کے صفائی ستھرائی کے اس نظام کے حوالے سے سخت قسم کے ضابطوں کا ذکر بھی کیا ہے اور ساتھ ہی چینیوں کی صفائی پسندی کی خصلت کو حب الوطنی کے جزو اور سماجی ذمہ داری کا خاصہ قرار دیا ہے۔

چینی تہذیب و ثقافت کا ایک اہم عنصر چینیوں کی مہمان نوازی کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ان کے یہاں بچیاں مہمانوں کے استقبال میں رنگارنگ پوشاک زیب تن کیے ہوئے تھیں اور گجرے والے ہاتھوں سے پریڈ جاری تھی۔ دراصل یہاں انھوں نے چینیوں کی تہذیب و ثقافت کو مدنظر رکھتے ہوئے ان کی مہمان نوازی کو سراہنے کی کوشش کی ہے ساتھ ہی ساتھ اس امر سے بھی پردہ اٹھاتے ہوئے کہتے ہیں کہ چینیوں کے یہاں شادی بیاہ کے موقع پر جہیز دینے کا رواج ہے نہ ہی ایسے موقع پر رسم و رواج کے نام پر وقت اور پیسے ضیاع مناسب سمجھا جاتا ہے۔

ابن انشاء چین کی تہذیب و ثقافت کا جائزہ لیتے ہوئے ان کے لباس کے بارے میں لکھتے ہیں کہ وہاں پر لوگوں کے کپڑوں پر پیوند لگے ہوئے تھے۔ مادی وسائل ہونے کے باوجود ان لوگوں کی حب الوطنی اور مخلصانہ رویے پر داد دیتے ہیں اور ساتھ ہی ان کے پسندیدہ رنگ سے متعلق بھی بتاتے ہیں کہ نیلا رنگ ان کا قومی لباس ہے جسے وہ زیادہ زیب تن کرتے ہیں۔

"ان کارخانوں میں بھی لوگوں کے کپڑے بے شک صاف تھے لیکن موٹے چھوٹے اور نیلے بدرنگ۔۔۔۔ خیر نیلا تو ان لوگوں کا قومی رنگ تھا۔"(4)

"چلتے ہو تو چین کو چلیے" میں پاکستانی معاشرے کے ایک ناسور یعنی ملاوٹ کا ذکر بھی ہے۔ ان کو سیاحت کے دوران ملاوٹ سے پاک معاشرے میں رہتے ہوئے اپنے ملک عزیز کی ملاوٹ شدہ اشیاء کا شدت سے احساس ہوتا ہے۔ ابن انشاء چین کے جن جن شہروں میں گئے اور ان میں جو تاریخی مقامات دیکھے اور وہاں کے لوگوں کا رہن سہن، رسم و رواج کو بھی اپنے سفر نامے کا حصہ بناتے ہیں اور ساتھ ہی چین کا پاکستانی معاشرے سے تقابل کر کے جن خامیوں اور کوتاہیوں کا ذکر کیا ہے ان میں شعبہ صحت کی ناگفتہ بہ صورتحال، حفظان صحت کے اصول اور صفائی ستھرائی سے لاپرواہی اور سستی و کاہلی

وغیرہ شامل ہیں۔ اس سفر نامے کو انھوں نے خاص طنزیہ اور مزاحیہ اسلوب و تازگی سے روشناس کروایا ہے۔ سفر نامے میں اصلاح کا پہلو نمایاں ہونے کے ساتھ وہاں کی تہذیب و ثقافت کی بہترین عکاسی ملتی ہے اور یہی ابن انشا کا کمال فن ہے۔

میرزا ادیب کا سفر نامہ "ہمالہ کے اس پار" اپنی جزئیات، فکریات اور تخلیقیت کے باعث اپنی مثال آپ ہے۔ یہ سفر نامہ 1979ء میں شائع ہوا۔

میرزا ادیب نے اس سفر نامے میں چین کی تہذیب و ثقافت کو بہت عمدہ انداز میں پیش کیا ہے۔ وہ جن جن شہروں میں گئے ان شہروں کے رسم و رواج اور اہم مقامات کو اپنے الفاظ میں پرویا ہے۔ ان اہم مقامات میں دیوار چین، لامائیمل، آسمانی مندر، ایڈگر سنو کی یادگار، شاہی محل، دریائے یانکسی، مزدوروں کا ہال، کمیون، مساجد اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالی عنہ کا مزار شامل ہیں۔

لاما ٹمپل ایک وسیع ترین ٹمپل ہے۔ یہ بدھ مت مذہب کی نمائندگی کرتا ہے۔ اس میں مہاتما بدھ کے مجسمے موجود ہیں جو انھوں نے بہت ہی بلند مقام پر رکھے ہوئے ہیں۔ ان مجسموں کو بنانے کے لئے ایک خاص قسم کی لکڑی کا استعمال ہوا ہے۔ اسی طرح انھوں نے آسمانی مندر کا بھی ذکر کیا ہے۔ یہ مندر زمین سے بہت زیادہ اونچا ہے۔ اس مندر پر چڑھنے کے لئے بہت ساری سیڑھیاں چڑھ کر جانا پڑتا ہے۔ یہاں کی ایک اور خاص چیز شیر کی طرح ایک جانور کا مجسمہ بھی موجود تھا۔ اس مجسمے کو وہ لوگ طاقت کی علامت سمجھتے ہیں۔ وہاں کے رہنے والے اس کی اصلیت یہ بتاتے ہیں کہ اس دور کے بادشاہ فصلوں کی خوشحالی کے لیے دعا مانگنے کے لیے آتے تھے اور جب فصل اچھی ہو جاتی تھی تو دوبارہ پھر اس مندر پر حاضری دیتے تھے۔

میرزا ادیب وہاں کی دو مساجد اور صحابی کے مزار کی زیارت کے لیے جاتے ہیں اور وہاں کے نقشے کو اپنے الفاظ میں بیان کرتے ہیں۔ ایک مسجد جو پیکنگ کی جامع مسجد ہے اس کا ذکر کرتے ہیں اور دوسری مسجد کینٹین شہر کی مسجد کا بھی ذکر کرتے ہیں۔ اس مسجد کی چھت میں زیادہ تر لکڑی کا استعمال کیا گیا ہے۔ اس مسجد میں قرآن پاک کے سات سو سال پرانے نسخے بھی موجود تھے لیکن میرزا ادیب کے خیال میں یہ نسخے اتنے زیادہ پرانی نہیں ہو سکتے۔

کنٹین شہر کی جامع مسجد میں چین کے مسلمان رہنماؤں کی تصویریں بھی موجود تھیں۔ ان لوگوں کا کہنا ہے کہ یہ مسجد ساڑھے بارہ سو سال پرانی ہے جبکہ مرزا ادیب کہتے ہیں کہ اس کے در و دیوار سے ایسا لگتا ہے کہ یہ مسجد اتنی زیادہ پرانی نہیں ہے۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالی عنہ کا مزار شریف بھی اسی شہر میں موجود ہے۔ یہ مزار خوبصورتی میں اپنی مثال آپ ہے۔ اس مزار کی خوبصورتی میں مزید اضافہ کرنے کے لیے دیواروں پر سنگ مرمر اور قرآنی آیات لکھی

ہوئی ہیں۔ میرزا ادیب ان کے دربار پر حاضری کو اپنی خوش قسمتی سمجھتے ہیں۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالی عنہ کے مزار کی طرف سفر کے دوران جن مشکلات کا سامنا کیا ان کو اپنے الفاظ میں اس طرح بیان کرتے ہیں:

"اصل میں یہ سفر جو حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ تعالی عنہ نے کیا تھا، ایک انسان کا سفر نہیں تھا یہ عزیمت کا سفر تھا، عشق کا سفر تھا، انسان تھک جاتا ہے لیکن جب انسان سراپا ایک جذبہ بن جائے تو اسے کوئی چیز کوئی طاقت نہیں روک سکتی، اس کے آگے کوئی دیوار حائل نہیں ہو سکتی اور وہ ہر دیوار سے ٹکرا جاتا ہے، اسے پاش پاش کر دیتا ہے۔"(5)

میرزا ادیب اپنے سفر نامے میں چین کے کھانوں اور ان کی ضیافت کی ثقافت کے بارے میں بھی بات کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ چینی کھانوں میں کیڑے، جھینگا مچھلی، گوبھی، ساگ، چاول، بطخ کے انڈے، گوشت اور سوپ شامل ہیں۔ ان کے کھانوں میں وہ ذائقہ نہیں جو ذائقہ ہونا چاہیے تھا۔

میرزا ادیب نے چین اور پاکستان کی تہذیب و ثقافت کا موازنہ بھی کیا ہے۔ سب سے پہلے وہ کھانوں کے متعلق بات کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ پاکستان میں ہم کو جو چینی کھانا ملتا ہے وہ اصلی نہیں ہے اور تو اور پاکستان میں شوربہ پہلے پیش کیا جاتا ہے جبکہ چین میں آخر میں شوربہ دیا جاتا ہے۔ پاکستان میں جیسے جیسے اندھیرا چھا رہا ہوتا ہے ویسے ویسے ہوٹلوں میں رونق بھی بڑھتی جاتی ہے جبکہ چین میں ایسا کچھ بھی نہیں ہے۔ پاکستان میں صبح کے وقت ہر طرف رونق ہوتی ہے جبکہ چین میں صبح کے وقت خاموشی چھائی ہوتی ہے۔ ماؤ اور اقبال کی فکر کا بھی موازنہ کیا ہے۔ ماؤ نے اپنے ملک کے لیے لانگ مارچ نکالا جبکہ اقبال نے شاعری کے ذریعے اپنی قوم کو جگایا۔ چینی ایئر لائن میں جو سہولتیں میسر ہیں پی۔ آئی۔ اے میں ایسا کچھ بھی نہیں ہے۔ چین میں لوگوں پر اتنا اعتماد ہے کہ وہ خود ہی لائبریری سے کتابیں پڑھنے کے لئے لیتے ہیں اور پڑھ کر واپس رکھ جاتے ہیں جبکہ پاکستان میں پہلے لائبریری فیس لی جاتی ہے۔

میرزا ادیب چین کے تاریخی مقامات کی سیر کرتے ان مقامات کے بارے میں جاننے کی کوشش بھی کرتے ہیں۔ تاریخی مقامات کے ساتھ تاریخی شعور کو بھی اجاگر کرتے دکھائی دیتے ہیں، جیسے گرم پانی کی طرح کی چائے، ماؤ کا ٹھنڈے پانی کے مخالفت کرنا، لوہسون کا ڈاکٹری کو چھوڑ کر ادب کی طرف آجانا شامل ہے۔ میرزا ادیب نے اس سفر نامے میں چین کی تہذیب و ثقافت کو نمایاں کرنے کی کوشش کی ہے۔ انھوں نے چین کی ان تمام چیزوں کا ذکر کیا ہے جس سے چین کی تہذیب و ثقافت کی نمائندگی ہوتی ہے۔

اسلم کمال ایک مشہور سفر نامہ نگار، مصور اور خطاط ہیں جو ہر وقت حصول علم کے لیے کوشاں رہتے ہیں۔ جب آپ حصول علم کے لیے چین جاتے ہیں تو اپنے اس سفر کو سفر نامے "100 کروڑ" کی شکل میں قلمبند کرتے ہیں۔ انھوں

نے چین کے سفر کے دوران اور اس سے ما قبل ومابعد پیش آنے والے حالات وواقعات کو نہایت دلکش انداز میں بیان کیا ہے۔ اس سفر نامے میں چینی تہذیب وثقافت کے مثبت عناصر کی عکاسی اردو کے قارئین کے لیے تازہ ہوا کے جھونکوں کی مانند ہے۔ اسلم کمال نے اپنے اس سفر نامے میں چینی ہنر مندوں، دیوارِ چین، تواضع، تعلیم، لباس، کھیل سیاست، مذہب، زبان اور رسم ورواج کے ذریعے چینی تہذیب وثقافت کی نہایت عمدہ انداز میں عکاسی کی ہے۔

ماؤہال کی سیر کے بارے میں بتاتے ہیں کہ ماؤہال میں داخل ہونے پر سامنے ماؤہال کا سفید مجسمہ کرسی پر براجماں ہو کر اور چہرے پر مسکراہٹ سجائے استقبال کر رہا تھا۔ ہال میں موجود تمام اسٹورز اور ریستوران خوبصورتی میں اپنی مثال آپ تھے۔ "100 کروڑ" میں اسلم کمال نے چینی دیوار کی رونق کو انار کلی بازار سے تشبیہ دی ہے۔ "دیوارِ چین" بہت لمبی اور روشن دیوار ہے جہاں موجود نیلے پیلے، کالے، سبز و سرخ ملبوسات پہنے غیر ملکیوں کی بھیڑ بالکل انار کلی بازر کی مانند دکھائی دیتی ہے۔

چینی لوگ کھانے کے بہت شوقین ہیں اور مہمان نوازی میں بھی کمال کر دیتے ہیں۔ کھانا پکانے سکھانے کے اتنے زیادہ کورسز ہیں کہ جنھیں ذہن نشین کرنا بہت مشکل تھا۔ ڈک ریستوران میں دنیا بھر کے لوگ بطخ کھانے آتے ہیں جس کا گوشت بہت خستہ اور لذیز ہے۔

سیر و تفریح کے دوران انھوں نے چینی ریوڑیاں اور گجک بھی کھائی۔ ہاف ٹائم میں آپ کی تواضع آئس کریم سے کی جاتی تھی۔ شنگھائی شہر میں مرغ کڑاہی کھانے کا بھی موقع ملا۔ آپ کے ایک دوست نے رات کے کھانے میں پراٹھے، دال، چاول، قیمہ، ساگ اور مرغ پیش کیا۔

چینی لوگ نیلی پینٹ، نیلی جیکٹ اور سر پر نیلی ماؤ کیپ پہنے پھر رہے تھے۔ چین میں فوٹو گرافر حضرات سوٹ بوٹ میں ملبوس بوڑھی ممیوں اور سیاحوں کی تصویریں بنا رہے تھے۔ ہانگچو میں لڑکیاں دو چوٹیاں شانوں پر لٹکائے نیلی پینٹ جیکٹ میں ملبوس تھیں۔

چینی لوگ شدید سردی میں گرم کپڑے اور اوور کوٹ کا اکثر استعمال کرتے ہیں۔

چین کا صوبہ سنکیانگ مسجدوں کی بڑی تعداد کی وجہ سے مشہور ہے۔ آپ نے وہاں کی ایک بڑی مسجد میں نمازِ جمعہ ادا کی، جس کے مسقف حصہ میں قبلہ کی جانب ایک بڑی سی مہراب کے ساتھ روایتی منبر بھی ہے۔ قبلہ والی دیوار پر سورہ حشر کی چھے آیات بھی لکھیں تھیں اور مسجد کا فرش چوبی تھا۔

پیلس میوزیم میں بادشاہ کی رسم تاج پوشی، سالگرہ، جشنِ سالِ نو اور دوسری اہم تقریبات منعقد ہوتی رہتی ہیں۔ اس پیلس میں حکمرانوں کو ایک محل سے دوسرے محل تک لے جانے کے لیے کرسی نما سواری استعمال ہوتی ہے۔ موسم گرما میں یہاں چینی لوگ پکنک منانے اور موسم سرما میں سکیٹنگ کرنے آتے ہیں۔ یہ پیلس میوزیم چینی تہذیب و ثقافت کا ایک قیمتی سرمایہ مانا جاتا ہے۔ اس پیلس میں آلاتِ حرب، ملبوسات، مصوری، خطاطی، پتھر کے مجسمے اور تخت و تاج نہات عمدہ طریقے سے نمائش کے لیے پیش کیے جاتے ہیں۔

چین میں دیواروں کے دھیمے رنگ اور روایتی مصوری و خطاطی کے شاہکار نمونے چینی مہارت اور ذوقِ کمال کی بھرپور عکاسی کرتے ہیں۔ چین میں فرینڈ شپ اسٹورز کئی کئی فلورز پر مشتمل ہیں دنیا بھر کی اشیاء یہاں دستیاب ہوتی ہیں۔ چائنہ انسٹی ٹیوٹ آف آرٹس روایتی چینی طرز تعمیر کا ایک ایسا اعلیٰ نمونہ ہے جو حقیقت میں فن کا شاہکار معلوم ہوتی ہے۔

اسلم کمال نے چین کی معاشرت پر نظر ثانی کی ہے اور اس کی تہذیب و ثقافت کو نمایاں کر کے دکھایا ہے۔ چین کا ایک ایک مقام اپنے معاشرے کی عکاسی کر رہا ہے۔ اس سفر نامے کی ایک خوبی یہ بھی ہے کہ ہر تاریخی عمارت کے احوال کے بیان کے ساتھ اس کا مختصر پس منظر بھی بیان کر دیا گیا ہے جو قاری کی معلومات میں اضافے کا سبب ہے۔ چین کے گلی کوچوں اور تاریخی عمارات کے قیام کے ساتھ ساتھ یہاں کے لوگوں کی مہمان نوازی اور حسن سلوک سے آراستہ و پیراستہ یہ سفر نامہ دراصل سفر نامہ نگار کی چین سے محبت اور جذباتی وابستگی کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

اس سفر نامے میں چین کے سماج و ثقافت کے متعدد پہلو نہایت عمدہ انداز میں بیان ہوئے ہیں۔ ان میں جہاں بہت سے روشن پہلو ہے وہاں بعض تاریخ پہلوؤں کی بھی نشاندہی کی گئی ہے۔ یہ امر اس حقیقت کو بھی ثابت کرتا ہے کہ سفر ناموں کے ذریعے کسی ملک کا سماجی اور ثقافتی مطالعہ کیا جاسکتا ہے۔ اسلم کمال نے اس سفر نامے میں چین کی سماجی زندگی کو حقیقت پسندانہ انداز میں تحریر کیا ہے۔ یہ سفر نامہ تخیل، رومان پرور فضا اور حقیقت کا حسین امتزاج ہے جو کہ اسلم کمال کے فنکارانہ مہارت کا پختہ ثبوت ہے۔

لاہور سے چین تک "اردو ادب کا ایک اہم اور نمایاں سفر نامہ" ہے جو کہ 1989 میں اسلم کمال نے تحریر کیا۔ بہت سے ادیبوں نے چین پر سفر نامے لکھے ہیں لیکن یہ سفر نامہ اپنی طرز میں ایک منفرد مقام رکھتا ہے۔

آپ نے اپنے سفر نامے کو مصورانہ رنگ دیتے ہوئے چین کے لوگوں کی سیاسی، سماجی اور معاشرتی حالات کو اپنی نوکِ قلم کے سپرد کیا ہے۔ اسلم کمال نے سیاحت کے دوران چین کے لوگوں کی سماجی زندگی کا بغور جائزہ لیا۔ انھوں نے چین کے مختلف کھانوں، سبزیوں، پھلوں اور جوسز کا تذکرہ کیا۔ ان کے مطابق سیب، کیلے، سلائس، مکھن، بطخ کا گوشت،

اورنج جوس، پراٹھے اور دال چاول وغیرہ بکثرت پائے جاتے ہیں۔ مصنف مزاحیہ انداز اپناتے ہوئے گوبھی کا ذکر کرتے ہیں:

"سائیکلوں کے علاوہ ایک اور شے جو جابجا دیکھی۔ بلکہ بے جا دیکھی۔ وہ گوبھی کی کثرت تھی۔۔۔۔۔۔۔ڈھیروں کے ڈھیر گوبھی کے بیجنگ میں کوئی شے سرِعام گندگی پھیلاتی دکھائی دیتی ہے تو وہ گوبھی ہے۔"(6)

اسلم کمال دیوارِ چین کی سیر کرنے بھی جاتے ہیں۔ وہ بتاتے ہیں کہ یہ دنیا کے آٹھ عجائبات میں سے ایک ہے۔ یہ دیوار چین کے سات صوبوں کو عبور کرتی ہے۔ اس کی اُونچائی تقریباً سات آٹھ میٹر ہے اور چوڑائی تقریباً پانچ سے چھ میٹر کے قریب ہے۔ مصنف دیوارِ چین کا بغور جائزہ لیتے ہوئے کہتے ہیں:

"یہ دیوار ایک داستان ہے۔ کلیہ دمنہ جیسی کوئی کہانی در کہانی ہے۔ چینی طرزِ زندگی کی کہانی_ چینی طرزِ فکر کی کہانی_ چینی طرزِ جنگ کی کہانی جو چینی طرزِ اظہار کی علامت بن کر پستیوں اور رفعتوں میں اترتی چڑھتی ہے۔"(7)

اسلم کمال نے بیجنگ سے شینگ ہائی، شینگ ہائی سے ہانگچو، ہانگچو سے سوچو، سوچو سے کینٹن اور وہاں سے واپس بیجنگ کا سفر کیا۔ دوران سفر انھوں نے لوگوں کے رہن سہن اور لباس پر خصوصی توجہ دی اور اس کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ وہ زیادہ تر ایک جیسا لباس پہنتے ہیں حتیٰ کہ عورت اور مرد کے لباس میں کوئی فرق نہیں سوائے سیر گاہوں کے، وہاں خواتین منفرد لباس پہنے نظر آتی ہیں۔

مصنف وہاں کی خواتین سے شدید متاثر ہوتے ہوئے کہتے ہیں کہ وہاں جب وہ بیجنگ شہر گئے تو وہاں پر کھیتوں پر کام کرنے والی خواتین ہی تھیں۔ وہاں پر ڈرائیور خواتین ہی تھیں اور اس کے علاوہ تعمیراتی اور سامان اٹھانے کے کام میں بھی خواتین مردوں کے برابر کام کر رہی تھیں۔

چین کے پارکوں کی سیر سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ ہنسنے ہنسانے والے خوش باش لوگ ہیں۔ وہاں نوجوان جوڑے بانھوں میں بانہیں ڈالے چلتے پھرتے نظر آتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ چینیوں کا رقص، نغمہ، مصوری، خطاطی اور کشیدہ کاری کی تربیت اور کھیلوں کی کوچنگ تک کے تمام انتظام دیکھ کر یہ اندازہ لگانا قطعاً غلط نہ ہو گا کہ چین کا ثقافتی مستقبل بہت روشن اور واضح نظر آتا ہے۔

ثقافتی تبادلے کے پیش نظر آٹھ افراد پہ مشتمل ایک گروہ کو دورۂ چین پہ بھجوایا گیا جس کے تحت امجد اسلام امجد جو ایک بہترین ڈرامہ نگار، شاعر اور نقاد ہیں نے 22 اگست 1991ء سے 6 ستمبر 1991ء کے عرصے میں سفر چین کیا اور اپنا شہرہ آفاق سفر نامہ ریشم ریشم مرتب کیا۔

امجد اسلام امجد نے سفر چین میں اپنے عمیق مشاہدات کو ریشم ریشم میں قلم بند کیا جس کا احوال وہ کچھ یوں بیان کرتے ہیں کہ پاکستان اور چین کی مضبوط اور مثالی دوستی ہماری قومی تاریخ اور خارجہ پالیسی کا اہم ترین سنگ میل تو ہے مگر اس کے ساتھ ساتھ دونوں ممالک کے باشندوں میں ایک دوسرے کے لیے قابل قدر جذبہ محبت اور قدردانی پائی جاتی ہے۔

امجد اسلام امجد نے بیجنگ شہر کے ایک چوک تھیان من کے حسین طرز تعمیر کے بارے میں اپنے خوبصورت مشاہدات کا اظہار بھی بہت اپنی نوک قلم سے کرتے ہیں۔ تھیان من کے بارے میں لکھتے ہوئے امجد اسلام امجد نے ماؤزے تنگ کا بھی تذکرہ کیا ہے۔ ماؤزے تنگ چین کا عظیم رہنما تھا جن کے حکم پہ چینی باشندوں نے تھیان من چوک اور۔ دیگر شاہکاروں کو ایک سال ملی ہوئی مدت کی بجائے دس ماہ میں ہی حیران کن طرز تعمیر پہ بناڈالا۔ اس سے بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے عظیم چینی رہنما ماؤزے تنگ کو چین میں وہی اہمیت حاصل ہے جو قائد اعظم محمد علی جناح رحمتہ اللہ علیہ کو پاکستان میں ہے۔

امجد اسلام امجد لکھتے ہیں کہ اجمل خٹک نے کہا "چینیوں کے بارے میں مقولہ مشہور ہے جو چیز ہلتی ہوئی دیکھیں اسے کھا جاتے ہیں" جس کا عملی مظاہرہ ہم نے کھانے کی میز پہ دیکھا۔۔۔ جہاں کتوں، کچوؤں، جھینگوں سے تواضع کی جارہی تھی اور چینی لوگ کھانے پہ بہت وقت لگاتے تھے۔ ان کی مشہور ڈش فراگ لیگز یعنی مینڈک کی ٹانگیں تھیں۔ امجد اسلام امجد نے چین کے آڑو کے بارے میں لکھا کہ:

"چین کا آڑو خربوزے کے سائز کے برابر تھا مگر ذائقے میں قدرے پھیکا لگتا تھا۔ ایک آڑو سے آرام سے پیٹ بھرا جاسکتا تھا۔"(8)

امجد اسلام امجد نے نہایت خوبصورتی اور عمدگی سے چینی سفر نامے کو قلم بند کیا اور چین کی تہذیب و ثقافت، کھانے، رہن سہن، پہناوں، طرز تعمیر، قومی ہیروز اور تاریخی مقامات کی بہترین منظر کشی کی گویا کہ آنکھوں دیکھا منظر ہو۔ اختتام پہ امجد اسلام امجد چین کے شہر بیجنگ کے متعلق اپنے تاثرات کا اظہار شاعری کی صورت میں کرتے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ انھوں نے ملک عزیز پاکستان کی مٹی کی خوشبو کو سراہا اور اس مٹی کی محبت کو خود میں محسوس کیا اور اللہ کا شکر ادا کیا کہ جس نے پاکستان جیسی خوبصورت سرزمین سے نوازا۔

چینیوں کے چین میں" حسن رضوی کا تخلیق کردہ سفر نامہ جو 1993ء میں شائع ہوا، اپنی عمدہ مثال کے باعث شہرت دوام حاصل کر گیا۔

حسن رضوی سیاحت کے سلسلے میں جب دورۂ چین پر گئے تو انہیں وہاں شہر چین جدید و قدیم کا امتزاج لگا، کہیں آسمان سے باتیں کرتی عمارتیں تو کہیں تنگ و تاریک گلیوں میں غریب باسیوں کی جھونپڑیاں۔ غرض انھوں نے چینی عوام کے سماجی حالات و واقعات اور تہذیب و ثقافت کا باریک بینی سے جائزہ لیتے ہوئے شستہ زبان و بیان، استعمال کر کے سفر نامے کو مزید تقویت بخشی ہے۔ المختصر "چینیوں کے چین میں" پرانی تہذیب و ثقافت اور جدید تہذیب و ثقافت کا حسین امتزاج ہونے کے ساتھ حسن رضوی کی چین سے محبت، لگن اور دلچسپی کا بہترین عکاس ہے۔

پہلی پیکنگ میں، اس سفر نامے کا آغاز چین کے شہر بیجنگ سے ہوا ہے جس کا شمار دنیا کے خوبصورت شہروں میں ہوتا ہے۔ اس شہر میں موجود گھروں کے دروازوں کو شوخ و تنگ رنگوں کے اژدھے اور گُل بوٹوں سے سجایا گیا ہے۔ سیاحوں کو یہاں جابجا قبلائی خان اور مارکوپولو وغیرہ کے مجسمے بھی دکھائی دیتے ہیں۔ وقت کی پابندی چینیوں کی روایت میں شامل ہے جس کے بارے میں مستنصر حسین تارڑ لکھتے ہیں کہ:

"شیڈول کو حکم خداوندی سمجھتے ہیں، اس سے روگردانی کو کفر سمجھتے ہیں۔"(9)

مستنصر حسین تارڑ سفر نامے میں چینی کھانوں کا بھی ذکر کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ انھیں تازہ سلاد، کھیرے، ککڑیاں اور کھیرے وغیرہ کھانے کا بھی اتفاق ہوا۔ کھانوں میں ایک چیز ایسی بھی تھی جو سمندر کی کائی کے مشابہ تھی۔ جسے انھوں نے بڑی مشکل سے نگلا۔ وہاں کی روایتی سویوں کو بھی مشکل سے کھایا۔ کھانے کی میز پر انواع و اقسام کی ڈشیں تو موجود تھیں لیکن انہیں کھانا بہت مشکل تھا اور بہت سی کھانے کی ڈشیں سے تو سمجھ سے بالاتر تھیں۔

چین میں چاول بہت کم کھائے جاتے ہیں اور ان کو غریبوں کی خوراک سمجھا جاتا ہے۔ اگر کوئی غیر ملکی چاول کی فرمائش کرتے تو چینی لوگ اس کو بہت معیوب سمجھتے ہیں اور اگر مہمان کی فرمائش پر چاول مل بھی جائیں تو ان کا معیار بہت گِرا ہوا ہوتا ہے۔

بیجنگ میں ایک قدیم تاریخی کنواں بھی موجود ہے جس کا ذکر قدیم بیجنگ کی تاریخ میں بھی ملتا ہے۔ وہاں سے آنے والے مسافر یہاں رُکتے ہیں اور جاتے وقت ضرور پانی پیتے ہیں۔ کنویں کے پاس ایک تختی بھی نصب ہے جس پر اس کی تاریخ و قدامت کے بارے میں معلومات درج ہیں۔

مستنصر حسین تارڑ چین کی تہذیب و ثقافت کو واضح انداز میں بیان کرنے کے لیے بتاتے ہیں کہ بیجنگ شہر میں ڈرگ سٹورز بھی بہت زیادہ تھے۔ ہوٹلوں، شراب خانوں، ریستورانوں اور اسٹور کے ساتھ ساتھ ڈرگ سٹور بھی بہت زیادہ تعداد میں موجود تھے، جہاں پر لوگ دوائیاں خریدتے نظر آتے ہیں۔ بعد میں جب مستنصر حسین تارڑ نے مرتبانوں کے

اندر جھانکا تو انھیں اس حقیقت کا انکشاف ہوا کہ اندر تو چھپکلیاں، بارہ سنگھے کے سینگ، وہیل مچھلیوں کا گوشت، سانپوں کے سری پائے اور اسی طرح کی دیگر اشیا فروخت ہوتی تھیں۔ ان میں سے کچھ اشیاء تو خاص مردوں کے لیے تھیں عورتوں کے لیے نہیں۔

چین میں ایک روایت اس حوالے سے بھی موجود ہے کہ زیادہ کام اور جنسی سرگرمیوں کی وجہ سے انسان کے جسم میں کمزوری ہو جاتی ہے جس کے نتیجے میں زندگی بھی کم ہو جاتی ہے۔ چینی اپنی ان جسمانی کمزوریوں کو سانپ کے خون، ریچھ کے مغز، وہیل کے گوشت، چھپکلیوں کے اچار اور ہرن کے سینگ کے گودے کے استعمال سے طاقت حاصل کر کے پورا کرتے ہیں۔ اسی طرح شیر کا گوشت بھی قوت مردی کے لیے خاصا اسیر سمجھا جاتا ہے۔ گینڈے کے سینگ ذہنی تناؤ کو کم کرتے ہیں اور بندر کا مغز ذہانت کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔

مستنصر حسین تارڑ نے چینی لوگوں کے عقیدے کو بڑے احسن انداز میں پیش کرنے کے ساتھ ساتھ دنیا کے دیگر مذاہب سے موازنہ بھی کیا ہے۔ دنیا کے تمام عقیدے اپنے اپنے راستے پر چل رہے ہیں۔ ہر کوئی اپنے عقیدے کی پیروی کرتا ہے لیکن اس کے باوجود ان تمام عقیدوں کا ملاپ آگ پر آ کر ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا کے گرجا گھروں میں موم بتیاں جلتی رہتی ہیں۔ اسی مناسبت سے مستنصر حسین تارڑ لاہور کی پرانی عمارات کے جھروکوں کا ذکر بھی کرتے ہیں جہاں چراغ اور موم بتیاں جلائی جاتی تھیں۔ ہندو لوگ مندروں میں دیوی دیوتاؤں کے گرد بھی موم بتیاں جلاتے ہیں اور پارسی لوگوں کے گھروں میں بھی ہمیشہ آگ جلتی رہتی ہے۔ جشن نوروز پر یہ آگ تاریخ گلیوں کو روشن کرتی ہے۔

دی فاربیڈن سٹی جس کے اندر داخلے پر پابندی تھی، اب سیاح کھلم کھلا آتے ہیں۔ شہر ممنوعہ کا کمپلیکس بہت توسیع ہے جہاں گھومنے کے لیے انسان کو ہمت چاہیے ہوتی ہے۔ کئی کلومیٹر تک پیدل چلنا پڑتا ہے۔ دیوار چین کے بعد ان کی ثقافت کو جو شہر نمایاں کرتا ہے وہ بیجنگ کے وسط میں واقع ہے۔ یہ شہر محلات، دربار، مہمان خانے، شاہی نوادرات اور تفریح گاہوں سے مزین شہر ہے جہاں ہزاروں سالوں سے چین کے شہنشاہ قیام کرتے تھے اور عام عوام کو اندر آنے کی اجازت نہیں تھی۔ اس شہر میں سرخ رنگ کا استعمال زیادہ نظر آتا ہے۔

تھیان من سکوئر دنیا کا سب سے بڑا سکوئر ہے۔ اس چوک میں بے شمار لوگ اژدھوں، تتلیوں کی شکل کی پتنگیں اور کنکوے بھی اڑا رہے تھے۔

چین میں بوڑھا شخص دنیا کا تنہا ترین انسان ہوتا ہے کیوں کہ اس کے ساتھ باتیں کرنے والا کوئی نہیں ہوتا۔ یہ بوڑھے لوگ جھینگے پال لیتے ہیں اور ان کو شیشے کی بوتلوں میں بند کر کے ان کی آوازیں سنتے اور خوش ہوتے ہیں۔

شی آن ایک ایسا مقام ہے جو چین کا قدیم ترین دارالسلطنت اور اولین شہنشاہوں کا مسکن بھی تھا۔ اس شہر سے چین کی تاریخ و ثقافت کی ابتدا ہوئی۔ یہاں سے شاہراہ ریشم کی شروعات ہوتی ہے۔ شاہراہ ریشم نے اس شہر کی شہنشاہی اور چینی ثقافت و تہذیب کو یورپ سے ملا دیا ہے۔ ٹیراکوٹا آرمی عجائب گھر کی شی آن شہر سے تیس کلو میٹر کے فاصلے پر واقع ہے جہاں ہر چیز مٹی سے بنی ہوئی ہے۔ ہر طرف سے سپاہیوں کے بُت بنے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ ان میں ایک خوبصورت رتھ بھی ہے جس کے پہیے کانسی کے بنے ہوئے ہیں۔ ان تمام چیزوں کے گرد سیاہ ایک بے یقینی کی حالت میں طواف کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ چین کے لوگوں کا کمال یہ ہے کہ انھوں نے اپنی ثقافت کو بچانے کے لئے اسے دوسری جگہ پر منتقل نہیں کیا بلکہ موسمی آثار سے بچانے کے لیے لوہے کی چھتوں سے ڈھانپ دیا۔

شی آن شہر میں مسلمان بھی بستے ہیں جن کے بارے میں مستنصر حسین تارڑ لکھتے ہیں کہ:

"شی آن کی ثقافتی زندگی اور رونق ان کے بغیر مکمل نہیں ہو سکتی۔۔۔ بلکہ یہ کہنا زیادہ مناسب ہو گا کہ شی آن کا موسم مسلمان ہے۔"(10)

چین میں اب بھی یہ رواج ہے کہ بڑے ہوٹلوں میں تھیٹر ہاؤس بنائے گئے ہیں جہاں پر چینی کلاسیکی ثقافت کو پیش کرنے کے ساتھ چینی لڑکیوں کا رقص بھی دکھایا جاتا ہے۔ اس کے بعد ٹانگ خاندان کا اپنا پیش کر کے آخر میں جنگجو سپاہیوں کی پریڈ ہوتی ہے۔ شنگھائی میں حجاموں کی دکانوں پر مردوں کی بجائے عورتیں کام کرتی ہیں۔

چینی خوبصورتی کے معیار کے مطابق سب کی ناک چپٹی اور بھینی ہوتی ہے جس کی وجہ سے وہاں پر سب لوگ ایک جیسے دکھائی دیتے ہیں۔ مستنصر حسین تارڑ اپنے اس سفر نامے میں چین کے لوگوں کا جاپان اور پاکستان کے لوگوں کے ساتھ موازنہ بھی کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ پاکستان میں اگرچہ بظاہر لوگ پر سکون نظر آتے ہیں لیکن صبح سویرے بس سٹاپ پر یا سڑکوں پر مزدور طبقہ کے لوگ ناخوش نظر آتے ہیں۔ دوسری طرف جاپان کے لوگوں پر نظر دوڑائی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ جاپان کے لوگ ہر وقت خوش رہتے ہیں، وہ خوش اطوار بھی ہیں اور خوش خوراک بھی۔ جاپانیوں اور چینیوں کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ کام ان کے لیے ایک نشہ کی مانند ہے۔ وہ کام کو بہت زیادہ اہمیت دیتے ہیں اور کام کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتے۔ اگر ان کو تین دن کام کرنے سے روکا جائے تو یہ خود بخود فوت ہو جائیں گے۔

مستنصر حسین تارڑ چونکہ ایک اچھے مزاح نگار بھی ہیں اس لیے انھوں نے اپنے اس سفر نامے میں مزاح کا بھرپور استعمال کر کے چین کی تہذیب و ثقافت کی عکاسی کرتے ہیں۔ مینڈک کی ڈش کے بارے میں مستنصر حسین تارڑ بہت مزاح کے انداز میں لکھتے ہیں کہ:

"ویسے آپس کی بات ہے میں نے اتنا لذیذ نظر آتا خوش رنگ گوشت کبھی نہیں دیکھا تھا اور اگر وہ چٹ وہاں چسپاں نہ ہوتی تو مجھے مینڈک خوری کا نہایت نایاب تجربہ حاصل ہوتا۔"(11)

اسی طرح سے ایک اور جگہ پر مستنصر حسین تاڑڑ شگفتہ انداز میں چینیوں کی ڈش کے بارے میں کہتے ہیں کہ:

"چین میں ایسی کوئی ڈش کھانے کے لئے نظر نہیں آتی جس کو پاکستان میں ہم چائنیز سمجھ کر کھاتے ہیں۔"(12)

مستنصر حسین تارڑ اس سفر نامہ میں مسجد کی بہت ہی عمدہ منظر نگاری کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

یہاں کی مسجد میں مؤذن کا بگوڑا نما مینار بنایا گیا ہے۔ وضو خانے اور دالان بھی بنائے گئے ہیں۔ اس مسجد کو بیرونی طور پر دیکھا جائے تو چینی محل یا بدھ مندر کی طرح ہی نظر آتی ہے لیکن اندر سے یہ ایک مسجد ہے۔ مسجد کی چھت پر عفریتوں اور اژدھوں کے مجسمے بنائے گئے ہیں۔(13)

تہذیب و معاشرت کی عکاسی سفر نامے کا ایک لازمی جزو ہے کیوں کہ اس کے بغیر کسی خطے میں رہنے والے لوگوں کی زندگی اور ان کے بود و باش کا علم نہیں ہو پاتا، نتیجتاً سفر نامہ محض ایک اور تحریر بن کر رہ جاتا ہے۔ مستنصر حسین تارڑ سفر نامے کے اس فن اور ضرورت سے اچھی طرح آگاہ ہیں یہی وجہ ہے کہ وہ اپنے سفر نامے "پُتلی پیکنگ میں" میں اپنے ذہنی اور فکری صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے کسی خطے کی سماجی، ثقافتی اور تہذیبی حالات و واقعات کا ایک آزاد نقاد کی حیثیت سے جائزہ لے کر ضبط تحریر میں لاتے ہیں۔ وہ کسی معاشرے یا خطے کی تہذیبی و ثقافتی ورثے کو اجاگر کرنے کے لیے مختلف وسیلوں کا سہارا لیتے ہیں۔ کبھی وہ مروجہ حکایات سے اپنا ہم سفر ناموں کو مزین کرتے ہیں تو کبھی رسوم و رواج، عقائد، زبان، مذہبی رجحانات اور مختلف پیشوں سے اپنی بات کو مؤثر بناتے ہیں۔

مستنصر حسین تارڑ کی یہ خاصیت ہے کہ وہ اپنی زبان سے کسی خطے کی اہمیت اور تہذیب و ثقافت کا بیان نہیں کرتے بلکہ وہ اس خطے کے باسیوں کی زبان سے اس جگہ کی تہذیب کو روشناس کراتے ہیں۔

مستنصر حسین تارڑ کے سفر نامے جہاں تاریخی حقائق کے مظہر ہیں وہاں مستنصر کے ہاں مقامی اور علاقائی ثقافتی رنگ بھی بہت نمایاں دکھائی دیتا ہے۔ مستنصر حسین تارڑ کا مشاہدہ گہرا اور مطالعہ وسیع ہے۔ وہ سیاحت کے دوران جہاں تاریخی حقائق پر بات کرتے ہیں وہیں پر وہ معاشرے کے نباض بھی ہیں۔ انہیں مختلف علاقوں، قوموں، قبیلوں اور لوگوں کی عادات و خصائل کا اچھی طرح علم ہے۔ انھوں نے زندگی کو جتنا قریب سے دیکھا ہے اتنا قریب سے بہت کم ادیبوں نے دیکھا ہو گا۔ یہی وجہ ہے کہ انہیں ہر ملک، ہر قوم، ہر علاقے اور ہر معاشرے کی معاشرت، وہاں رہنے والے لوگوں کی بود و باش، ان کا ذریعہ معاش اور ان کی ذہنی، نفسیاتی و جذباتی سطح کا بخوبی علم ہے۔

مستنصر حسین تارڑ کا شمار ان سفر نامہ نگاروں میں ہوتا ہے جنھوں نے سفر نامے میں تہذیبی و ثقافتی رنگ شامل کر کے اس کو قارئین کے لیے نہ صرف مزید قابل مطالعہ بنایا بلکہ قارئین کے ایک بہت بڑے حلقے کو سفر نامے کی جانب متوجہ بھی کیا۔

حوالہ جات

1. تحسین فراقی، (مقدمہ) عجائبات فرنگ از یوسف خان کمبل پوش (لاہور: مکہ بکس، 1983ء)، ص27، 28
2. ڈاکٹر انور سدید، اُردو ادب میں سفر نامہ (لاہور: مغربی پاکستان اردو اکیڈمی، 1987ء)، ص19
3. ابراہیم جلیس، نئی دیوار چین (کراچی: برکت پریس، 1058)، ص21
4. ابنِ انشا، چلتے ہو تو چین کو چلیئے (لاہور: لاہور اکیڈمی، طبع نہم 1981ء)، ص85
5. میرزا ادیب، ہمالہ کے اس پار (لاہور: مکتبہ انجم، 1983ء)، ص41
6. اسلم کمال، لاہور سے چین تک (لاہور: مقبول اکیڈمی، 1989ء)، ص59
7. ایضاً، ص83
8. امجد اسلام امجد، ریشم رشم (لاہور: پاکستان کنکنشنز، س ن)، ص126
9. مستنصر حسین تارڑ، تیلی پیکنگ میں (لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، 2003ء)، ص108
10. ایضاً، ص171
11. ایضاً، ص67
12. ایضاً، ص139
13. ایضاً، ص415